پاکستان میں ہندوستان کے پائے کی جمہوریت کیسے آسکتی ہے

حرفِ تمنا

☆☆☆☆☆

ارشاد احمد حقانی

Democracy

غور وفکر تو پہلے بھی ہوتا تھا لیکن ہندوستانی لوک سبھا کے حالیہ انتخابات کے نتائج سامنے آنے کے بعد پاکستانی دانشور اور بھی زیادہ گہرائی میں جا کر اس بات کا جائزہ لینے کی کوشش کر رہے ہیں کہ پاکستان میں گزشتہ نصف صدی کے دوران جمہوری کلچر اور ریاستی ادارے کیوں مضبوط نہ ہو سکے جبکہ ہندوستان میں ایسا ہو گیا حالانکہ دونوں ملک ایک ہی وقت میں آزاد ہوئے اور دونوں کی سیاسی تاریخ بھی قریب قریب ایک جیسی تھی۔ ہر پاکستانی تجزیہ نگار نے کچھ نتائج اخذ کئے ہیں اور پاکستان میں جمہوری اقدار کے عدم ارتقا کے اسباب بیان کئے ہیں۔ آج (17 جون) معاصر ''دی نیوز'' میں ایک ممتاز خاتون صحافی نے بھی اس موضوع پر ایک حقیقت پسندانہ تجزیہ لکھا ہے اور نتیجہ یہ اخذ کیا ہے کہ محض سیاست کی ''صفائی'' کرنے سے پاکستان میں حقیقی جمہوریت کے قیام کی کوششوں میں مدد نہیں مل سکتی بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ ریاستی اداروں کی اصلاح بھی کی جائے۔ بطور خاص عدلیہ، وفاقی پبلک سروس کمیشن، الیکشن کمیشن اور پولیس فورس کی اصلاح کی جائے۔ صرف اسی طرح قانون کی حکمرانی اور حقیقی جمہوریت کا فروغ ممکن ہو سکتا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ خاتون تجزیہ نگار نے اپنے استدلال کو منطقی انجام تک نہیں پہنچایا اور وہ علت العلل کی تلاش میں چند قدم ادھر ہی رک گئیں۔ ان کے نزدیک جب تک ریاستی ڈھانچے کی اصلاح نہ کی جائے بطور خاص عدلیہ، فیڈرل پبلک سروس کمیشن، الیکشن کمیشن اور پولیس فورس کی اصلاح نہ کی جائے پاکستان میں حقیقی جمہوریت فروغ نہیں پا سکتی لیکن انہوں نے اس سوال کا جواب نہیں دیا کہ یہ کام کون کرے، کون کر سکتا ہے، اور اب تک کیوں نہیں ہو سکا۔ جب تک آپ ان تین سوالوں کے جواب تلاش نہ کر لیں آپ کا تجویز کردہ نسخہ یا حل فضا میں معلق رہے گا۔ ایک حدیث مبارکہ میں کہا گیا ہے ''خبردار رہو! جسم انسانی میں ایک لوتھڑا ہے جب اس کی اصلاح ہو جائے تو پورے جسم کی اصلاح ہو جاتی ہے وہ بیمار یا فاسد ہو جائے تو پورا جسم بیمار اور فاسد ہو جاتا ہے۔ خبردار رہو! یہ لوتھڑا دل ہے''۔ میری دانست میں آج کے دور میں ان ممالک میں جو جمہوری روایات اپنانے کا دعویٰ کریں اور ایسا کرنے کی خواہش رکھتے ہوں وہاں پورے جسد قومی کو تندرست یا فاسد رکھنے کا کردار سیاست اور سیاسی کلاس ادا کرتی ہے۔ جو ملک معروف مغربی معنوں میں جمہوری ہونے کے مدعی یا خواہشمند نہیں ہیں جیسے عوامی جمہوریہ چین یا کیوبا یا شمالی کوریا یا مشرق وسطیٰ کے عرب اور مسلمان ممالک، ان میں تو سیاست اور سیاسی کلاس کو وہ کلیدی حیثیت حاصل نہیں ہوتی جو جمہوری بننے اور جمہوری کہلانے کے خواہشمند ممالک میں ہوتی ہے۔ پاکستان چونکہ فوجی حکمرانوں کے دور میں بھی اپنے اس دعوے سے دستبردار نہیں ہوتا کہ وہ ایک جمہوری ملک ہے یا وہ جمہوری ملک بننا چاہتا ہے اس لئے اس میں تمام اداروں کا بناؤ اور بگاڑ اس کی سیاست کے بناؤ اور بگاڑ پر منحصر ہے۔ یہ درست ہے بقول مس نسیم زہرا، کہ ریاستی ڈھانچے، عدلیہ، فیڈرل پبلک سروس کمیشن، الیکشن کمیشن، پولیس فورس کی اصلاح ہماری بہت بڑی ضرورت ہے لیکن غور طلب سوال یہ ہے کہ آج تک یہ مقاصد کیوں حاصل نہیں ہوئے۔ اس کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں کہ پاکستان کو ایسی پختہ کار، صاحب بصیرت، بااصول اور بے غرض سیاسی کلاس قائداعظم کے بعد نصیب نہیں ہوئی جو وہ امور انجام دے سکتی جن کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ ہندوستان میں ایسی سیاسی کلاس موجود تھی اس لئے یہ سارے کام ہو گئے۔ پاکستان میں سیاسی کلاس کی ناکامی دیکھتے ہوئے جرنیلوں نے کچھ بے صبری، کچھ اقتدار پرستی اور کچھ اپنے عقل کل ہونے کے زعم میں بار بار جمہوری عمل کو روکا اور ایک تدریج سے ہمارے سیاسی کلچر کی پختگی کا جو امکان تھا اس کے بروئے کار آنے میں رکاوٹ ڈالی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ Trial and error کے عمل سے گزر کر پاکستان کی سیاسی کلاس نصف صدی میں جس قدر پختہ ہو سکتی تھی وہ بھی نہ ہو سکی اور مختلف تجربات کرتے کرتے ہماری جمہوری منزل کھوٹی ہو گئی۔

16/6/04

اکتوبر 2002ء کے انتخابات سے پہلے میں نے کئی دفعہ یہ بات کہی تھی کہ اب کے جو پارلیمنٹ آئے گی وہ جمہوری اقدار اور سیاسی بالادستی کے اصولوں سے ماضی کی تمام پارلیمنٹوں سے زیادہ قوی وابستگی کی حامل ہو گی اور میری یہ رائے درست ثابت ہوئی ہے۔ جتنی بڑی اپوزیشن آج کی پارلیمنٹ میں ہے ماضی کی کسی پارلیمنٹ میں نہیں رہی۔ یہ درست ہے کہ پیپلز پارٹی کے 20 ارکان قومی اسمبلی توڑ کر جنرل مشرف کے نامزد کردہ وزیراعظم محض ایک ووٹ کی اکثریت سے اسمبلی کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے لیکن ماضی میں ایوب یا ضیاء الحق کے نامزدگان کو کبھی ایسی دقت پیش نہیں آئی تھی۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ جونیجو اور ضیاء الحق بعد میں لڑ پڑے لیکن جب جونیجو کو وزیراعظم نامزد کیا گیا تو ان کے لئے اعتماد کا ووٹ حاصل کرنا ایک لمحے کے لئے بھی مسئلہ نہ بنا۔ ایل ایف او کے سوال پر جتنی شدید اور طویل مزاحمت اس اسمبلی میں ہوئی ہے، 85 کی اسمبلی میں آٹھویں ترمیم پر اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہوئی تھی۔ ایم ایم اے دو صوبوں میں اپنی حکومتوں کی مجبوری کی وجہ سے مفاہمت کا راستہ اختیار نہ کرتا تو صدر مشرف کی مشکلات میں اور بھی زیادہ اضافہ ہو جاتا۔ یہ تفصیل واضح کرتی ہے کہ ہماری سیاسی کلاس بحیثیت مجموعی پہلے کے مقابلے پر پختہ تر ہو رہی ہے۔ بے نظیر اور نواز شریف کے ملک سے باہر ہونے کے باوجود ان کی جس قدر سیاسی حمایت اور گرفت آج تک قائم ہے یہ بھی ہماری سیاسی کلاس کی پختگی کی ایک اور شہادت ہے۔ ایوب کے زمانے میں محض ایک ننھی منی کونسل لیگ ان کے زیر سایہ آنے سے بچی تھی اور آخرکار دولتانہ صاحب نے بھی بھٹو کی نوکری کر لی۔ ضیاء الحق کے زمانے میں اپوزیشن محض چند Young Turks پر مشتمل رہ گئی تھی اور جلد ہی ان میں سے بھی بعض رام ہو گئے تھے۔ مجھے تعجب بھی ہے اور خوشی بھی کہ میاں نواز شریف کے 10 سال کے لئے جلاوطن ہو جانے کا یقین ہونے کے باوجود ان کے نام سے منسوب جماعت میں اب بھی کچھ دم خم ہے۔ بے نظیر بھٹو کی جماعت کی حالت تو (ن) لیگ سے بھی بہتر ہے۔ ایم ایم اے کوئی بھی مفاہمت کئے بغیر اپوزیشن کا کردار برقرار رکھتا تو موجودہ پارلیمنٹ میں عدیم النظیر طاقت کی حامل اپوزیشن دیکھنے میں آتی۔ ایم ایم اے نے سترھویں آئینی ترمیم کی جو حمایت کی اس پر اسے اچھا خاصا معذرت خواہانہ رویہ اپنانا پڑا۔ اکتوبر 2002 کے انتخابات قطعی اور کلی طور پر شفاف اور منصفانہ ہو جاتے اور بے نظیر اور نواز شریف کو بھی اپنی اپنی پارٹی کی انتخابی مہم چلانے کا موقع ملتا تو پاکستان میں آج کے مقابلے پر کہیں بہتر جمہوری نظام بروئے کار آ چکا ہوتا اور یہ چیز ان اصلاحات کا نقطہ آغاز بنتی جس کی ضرورت پر خاتون تجزیہ نگار نے زور دیا ہے۔ لکھ رکھئے اور میں دوبارہ کہتا ہوں کہ لکھ رکھئے جب تک پاکستان میں کلی طور پر شفاف اور غیر جانبدارانہ (Fair) انتخابات منعقد نہیں ہوتے، سچا جمہوری کلچر بروئے کار نہیں آئے گا اور نہ دنیا ہمیں ایک جمہوری ملک تسلیم کرے گی۔ ہندوستان میں جمہوریت اس لئے پروان نہیں چڑھی کہ اس کی عدلیہ، اس کا پبلک سروس کمیشن، اس کا الیکشن کمیشن اور اس کی پولیس قانون کی حکمرانی پر یقین رکھتے تھے۔ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ سیاسی قیادت جمہوری اقدار پر یقین رکھتی تھی اس لئے تمام ریاستی ادارے مضبوط ہونا شروع ہو گئے۔ جنرل مشرف اور ان کے ساتھی ''جعلی'' کے مقابلے پر ''حقیقی'' جمہوریت لانے کے عزائم ظاہر کرتے کرتے 2002 کے انتخابات پر بالواسطہ اثر انداز ہونے کی کوشش نہ کرتے تو یہاں واقعی حقیقی جمہوریت آ جاتی۔ پچھلے جزواً غیر شفاف اور قدرے غیر منصفانہ انتخابات کے بعد بھی حکومت سازی کے عمل میں ایجنسیاں مداخلت نہ کرتیں تو بھی نئے جمہوری تجربے کا اعتبار قدرے بہتر ہوتا لیکن افسوس کہ ایجنسیوں کی مداخلت انتخابات کے بعد بھی جاری رہی۔ صدر مشرف اس ملک پر جو سب سے بڑا احسان کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ موجودہ حکومت کی نصف کے قریب مدت مکمل ہونے پر سو فیصدی منصفانہ انتخابات کرا دیں اور ان کے نتائج کو شرح صدر سے قبول کر لیں اور ان انتخابات میں ان تمام سیاستدانوں کو حصہ لینے دیں جنہیں کسی عدالت نے نااہل قرار نہ دیا ہو۔ یہ احسان کرنا ان کے لئے ممکن نہ ہو تو پھر وہ یہ کر سکتے ہیں کہ جب بھی نئے انتخابات کرائیں وہ حقیقتاً شفاف اور منصفانہ ہوں۔ توقع کی جا سکتی ہے کہ ایسے انتخابات کے نتیجے میں جو سیاسی قیادت اوپر آئے گی وہ بڑی حد تک ہندوستان کی منتخب سیاسی قیادت کے معیار کی جمہوری اقدار سے وابستگی کا مظاہرہ کر سکے گی اور ایک دو مزید انتخابات ہمیں ہندوستان کی سطح کے برابر لے آئیں گے۔ کاش صدر مشرف کی قسمت میں پاکستان میں حقیقی شفاف اور منصفانہ انتخابات کرانے کی سعادت لکھی ہو!!